ایک صاحب کے پانچ سوالوں کا جواب

(سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کے پانچ سوالوں کا جواب)

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم		نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ایک صاحب کے پانچ سوالوں کا جواب

(از حضرت سیدنا مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی)

مکرمی! السلام علیکم۔ تیرہ۱۳ مارچ کا لکھا ہوا خط جو ۱۸۔ مارچ کو صدر انجمن احمدیہ کے سیکرٹری کے نام پہنچا میں نے پڑھا ہے۔ اور چونکہ اس خط میں آپ نے اپنے سوالات کے جواب مجھ سے پوچھ کر لکھنے کی درخواست کی ہے میں نے مناسب خیال کیا کہ میں خود ہی ان سوالات کے جواب لکھوادوں۔ آگے ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور دلوں پر سوائے اس کے کسی کی حکومت نہیں۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ چونکہ میں کچھ دن بیمار رہا ہوں اس لئے آپ کو جلد جواب نہیں لکھوا سکا۔ آپ نے پانچ سوال کئے ہیں اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ پانچوں سوال درحقیقت ایک ہی سوال کی شاخیں ہیں اور ایک سوال دوسرے کے ساتھ پیوست ہے بہرحال میں آپ کے پانچوں سوالات کے جواب ذیل میں لکھواتا ہوں۔ آپ کے پانچ سوال یہ ہیں:

میں نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب مرحوم کی بہت تعریف سنی ہے اور اسلام کے متعلق جو آپ نے تعلیم دی ہے میں اسے بہت عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔

میں اس بات کے لئے تیار ہوں کہ ان کو ایک مصلح اعظم تسلیم کروں لیکن احمدیت کا اظہار کرتے ہوئے مجھے مفصلہ ذیل امور کی وجہ سے خوف معلوم ہوتا ہے۔

(۱) اگر میں احمدیت کا اظہار کروں تو مجھے تمام مسلمان کافر سمجھیں گے اور مجھے بھی ان کو ایسا ہی سمجھنا پڑے گا۔

(۲) احمدی لوگ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے اور اس لئے غیر احمدی بھی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اس طرح مجھے تمام اسلامی مساجد سے قطع تعلق کرنا پڑے گا۔ حالانکہ ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہے کہ پنجوقتہ جماعت کے ساتھ قریب کی مسجد میں نماز پڑھے اور جمعہ کی نماز جامع مسجد میں ادا کرے۔

(۳) اس صورت میں آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ احمدی نام اختیار کرنے سے مجھے کس قدر تکلیف اٹھانی پڑے گی قرآن کریم ہمیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا قرآن کریم میں ہمارا نام مسلمان ہے اور ہمیں تاکید ہے کہ ہم مذہب کو فرقوں میں تقسیم نہ کریں۔

(۴) قرآن یا احادیث میں کسی جگہ یہ مذکور نہیں کہ ہر انسان کو اپنی نجات کے لئے مسیح اور مہدی پر اعلانیہ ایمان لانا ضروری ہے۔

(۵) باوجود اس کے مذکورہ بالا حالات کے ماتحت مَیں اس میں کوئی ہرج نہیں دیکھتا کہ خفیہ طور پر ایمان رکھوں۔

یہ میرے عقائد ہیں اگر میں غلطی پر ہوں تو مہربانی کر کے قرآن اور احادیث کے حوالہ جات سے مجھے اس غلطی پر مطلع کیا جائے۔

ان سوالات کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ آپ کے خیال میں حضرت مسیح موعودؑ کے ماننے میں آپ کو بعض باتیں روک ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے سلسلہ احمدیہ میں علی الاعلان داخل ہونے سے اسلام کے بعض فرائض کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ گو ان تمام سوالات کے جواب الگ الگ بھی دوں گا لیکن پہلے میں سب سوالات پر مجموعی طور سے نظر ڈالنا چاہتا ہوں۔

میرے خیال میں ان سب سوالات کے جواب ہم صرف ایک سوال میں دے سکتے ہیں اور وہ یہ کہ آیا حضرت مسیح موعودؑ خدا تعالیٰ کی طرف سے تھے یا نہیں۔ اگر آپ حق پر نہ تھے تو ان سوالات کی ضرورت ہی نہیں رہتی کیونکہ جھوٹے آدمی کا ماننا خواہ پوشیدہ ہو خواہ ظاہر ہر طرح گناہ اور معصیت ہے۔ اور اگر آپ سچے تھے اور ہمیں یقین ہے کہ وہ ضرور سچے تھے تو پھر بھی یہ سوال حل ہو جاتے ہیں کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی بیعت کرنے یا نہ کرنے اپنے مخالفوں کے پیچھے نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے وغیرہا سب مسائل کی بناء خدا تعالیٰ کے الہامات پر رکھی ہے اور اپنی طرف سے ان مسائل پر کچھ نہیں لکھا۔ پس آپ کی صداقت ثابت ہو جانے کے بعد ایک دانا انسان کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ باقی نہیں رہتا کہ وہ ان سب باتوں کو

قبول کرے کیونکہ ان کو رد کرنا خدا تعالیٰ کے احکام اور اس کے فیصلہ کو رد کرنا ہے۔ اور ان کا قبول کرنا درحقیقت خدا تعالیٰ کے فیصلہ کو قبول کرنا ہے۔ غرضیکہ اصل جھگڑا صرف حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کے متعلق ہے اور سوال یہ ہے کہ کیا آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے تھے؟ اگر اس سوال کا جواب یہ ملے کہ ہاں خدا تعالیٰ کی طرف سے تھے تو اب جو کچھ ان کا حکم ہے وہ ہمیں قبول کرنا پڑے گا۔ اور خصوصاً ان باتوں کے رد کرنے کی تو ہمارے پاس کوئی وجہ ہی نہیں جن کی نسبت مسیح موعودؑ نے فرمادیا ہو کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ کیونکہ جب وہ سچے ہیں تو وہ باتیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں وہ بھی سچی ہیں۔ اور ان پر اعتراض نہیں پڑ سکتا۔ پس آپ کے ان سوالات کے جواب میں سب سے پہلے تو میں یہی کہوں گا کہ آپ اس بات کی تحقیق کریں کہ مسیح موعودؑ واقعہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے یا نہیں۔ اگر آپ پر یہ بات کھل جائے کہ وہ واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو پھر آپ کو ان سوالات کا جواب بھی خود ہی مل جائے گا کیونکہ جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو اس کے فیصلوں کا ماننا ضروری ہے اور جن باتوں کے متعلق آپ نے سوال کیا ہے وہ تو ایسی ہیں کہ ان کے متعلق مسیح موعودؑ کا فیصلہ امر الٰہی کے ماتحت ہے۔ اب میں مختصراً آپ کے سوالات کا جواب نمبروار دیتا ہوں۔

۱۔ پہلا سوال یہ ہے: کہ اگر میں احمدیت کا اظہار کروں تو مجھے تمام مسلمان کافر سمجھیں گے اور مجھے بھی ان کو ایسا ہی سمجھنا پڑے گا۔

اگر آپ اس سوال پر مزید غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کے احمدی مشہور ہونے یا نہ ہونے کو مسئلہ کفر و اسلام غیر احمدیاں سے تعلق ہی نہیں کیونکہ پہلا سوال تو یہ ہوگا کہ آیا مسیح موعودؑ کے منکر کافر ہیں یا نہیں۔ اگر وہ کافر نہیں تو خواہ آپ احمدی مشہور ہوں یا نہ ہوں آپ کو انہیں مسلمان ہی ماننا پڑے گا اور اگر وہ مسلمان نہیں تو پھر بھی خواہ آپ اپنے احمدی ہونے کا اظہار نہ کریں اور خفیہ رہیں آپ کو انہیں کافر ماننا پڑے گا کیونکہ آپ کے احمدی مشہور ہونے یا نہ ہونے سے اصل واقعہ میں فرق نہیں آجاتا اگر وہ کافر ہیں تو ہر دو صورت میں کافر ہی رہیں گے اور اگر وہ مسلمان ہیں تو ہر دو صورت میں مسلمان رہیں گے اگر فرق ہوگا تو صرف یہ کہ اگر آپ احمدی مشہور ہوں تو لوگوں کو آپ کے دلی خیالات کا علم ہو جائے گا اور اگر آپ احمدی مشہور نہ ہوں تو آپ کے حقیقی خیالات سے لوگ ناواقف رہیں گے۔ پس سوائے اس کے کہ حقیقت پر ایک پردہ پڑا رہے نفسِ حقیقت میں کسی کے احمدی

مشہور ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں آتا۔ جو شخص مسیح موعودؑ کو سچا مان لے اور اسے یہ بھی یقین ہو جائے کہ اس کے منکر کافر ہیں تو گو وہ اپنی احمدیت کو ظاہر کرے یا نہ کرے اور لوگوں میں غیر احمدی مشہور ہو تب بھی اپنے دل میں تو اسے غیر احمدیوں کو کافر ہی سمجھنا پڑے گا۔ اور اگر ایک شخص حضرت مسیح موعودؑ کے منکروں کو کافر خیال نہیں کرتا تو خواہ وہ اپنی احمدیت کا کتنا ہی اعلان کرے غیر احمدیوں کو کافر کہنے پر مجبور نہیں کیونکہ کسی چیز کے علی الاعلان کہہ دینے سے اس کے منکروں پر کفر کا فتویٰ نہیں لگ جاتا۔ بلکہ صرف اسی چیز کے منکروں پر کفر کا فتویٰ لگتا ہے جس کا انکار واقعہ میں کفر ہو۔ اب رہا اس سوال کا دوسرا پہلو اور وہ یہ کہ آپ کے احمدی مشہور ہونے پر لوگ آپ کو کافر کہیں گے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے اسلام پر دوسروں کے کافر کہنے یا مسلمان کہنے کا کیا اثر پڑتا ہے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم و دیگر صحابہ کرامؓ کو مسلمانوں کی ایک جماعت منافق کہتی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اور ان کا خیال یہ ہے کہ یہ لوگ سچے دل سے اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے بلکہ صرف اسلام کا اظہار کرتے تھے اور ایسا منافق در حقیقت کافر ہی ہوتا ہے لیکن کیا ان لوگوں کے ایسا کہہ دینے سے یہ بزرگ کافر بن جاتے ہیں یا ان کا کوئی نقصان ہو جاتا ہے پھر ان کے بعد جس قدر بزرگ ہوئے ہیں قریباً سب پر کفر کا فتویٰ لگا۔ سید عبد القادر جیلانیؒ پر بھی کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور بڑے بڑے مولویوں نے اس پر اپنی مہریں لگائیں۔ اور آپ کا نام نعوذ باللہ من ذالک ابلیس رکھا۔ مجدد الف ثانیؒ، احمد سرہندیؒ پر بھی کفر کا فتویٰ لگا۔ جنید بغدادیؒ اور شبلیؒ بھی کافر قرار دیئے گئے لیکن کیا ان لوگوں نے اپنے عقائد کو اس ڈر سے کہ لوگ ہمیں کافر کہتے ہیں چھپا لیا۔ اور کیا لوگوں کے کافر کہنے سے وہ واقعہ میں کافر ہو گئے یا ان کے دین میں کوئی نقص پیدا ہو گیا۔ آج تو سنی شیعوں کو اور شیعہ سنیوں کو۔ اور یہ دونوں خوارج کو اسلام سے باہر خیال کرتے ہیں۔ اس وقت ہندوستان میں کوئی ایسا فرقہ نہیں جس کے پیروان پر کفر کا فتویٰ نہیں لگا۔ لیکن کسی کے دوسرے کو کافر کہنے سے اس کے مذہب میں کوئی نقص نہیں آجاتا۔ نقص تو تبھی آتا ہے جب واقعہ میں کوئی کفر کا عقیدہ انسان کے اندر پیدا ہو جائے۔ پس لوگوں کے کافر کہنے سے خوف کھا کر ایک حق کو قبول نہ کرنا کسی نفع کا باعث نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک شخص مسلمان ہو اور ساری دنیا اسے کافر کہے تو وہ کافر نہیں ہو جاتا اور اگر ایک شخص کافر ہو اور سب دنیا اسے مسلمان کہے تو وہ مسلمان نہیں ہو جاتا۔

بات یہ ہے کہ لوگوں نے کفر و اسلام کے مسئلہ کو سمجھا ہی نہیں اگر وہ روحانی معاملات کو جسمانی معاملات پر عرض کر کے ان کی صداقت معلوم کرتے تو ان پر حق کھل جاتا اور صداقت روشن ہو جاتی۔ قرآن کریم کی یہ طرز ہے کہ وہ روحانی سلسلہ کا جسمانی سلسلہ سے مقابلہ کر کے اپنی پیش کردہ تعلیم کی صداقت ظاہر کرتا ہے اور کسی بات کی صداقت ثابت کرنے کے لئے یہ طریق نہایت عمدہ ہے کیونکہ جسمانی سلسلہ کی نسبت تو کسی کو شک ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جب کہ کسی مذہب کو ان قواعد کے مطابق ثابت کر دیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے جسمانیات میں جاری کئے ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ وہ مذہب اسی خدا کی طرف سے ہے جو دنیا کا خالق ہے۔ اگر ہم مسئلہ کفر کو اسی رنگ میں دیکھیں تو نہایت آسانی سے حل ہو جاتا ہے کفر بیماری ہے اور اسلام صحت کا نام۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک حد تک انسان کے اندر بیماری کا مادہ ہوتے ہوئے بھی وہ تندرست کہلاتا ہے۔ کیونکہ دنیا میں اکثر انسان جو تندرست کہلاتے ہیں ان کی صحت میں بھی خفیف خفیف نقص ہوتے ہیں لیکن ان کی وجہ سے ہم ان کو بیمار نہیں کہہ دیتے۔ اسی طرح ہر بیمار میں ایک حد تک صحت کا مادہ بھی ہوتا ہے لیکن اس کی وجہ سے ہم اسے تندرست نہیں کہتے۔ تندرست اسی کو کہتے ہیں جس کے سب اعضاءِ رئیسہ بیماری سے بچے ہوئے ہوں یا اس کے جسم پر بیماری غالب نہ آگئی ہو۔ اور بیمار اسے کہتے ہیں جس کے جسم پر بیماری غالب آگئی ہو یا اس کے اعضاءِ رئیسہ میں سے کسی پر اسے غلبہ حاصل ہو گیا ہو۔ کفر و اسلام کا بھی یہی حال ہے ایک شخص باوجود اس کے کہ اس میں بعض گناہ پائے جاتے ہوں مسلمان کہلاتا ہے اور مسلمان اس لئے کہ اس کی روحانیت پر گناہ غالب نہیں آگیا۔ اور جب وہی گناہ غالب آجاتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اسی طرح ایسا شخص بھی جو بہت سے مسائل میں حق پر ہو لیکن ایک اہم مسئلہ میں جو روحانی سلسلہ کے اعضاءِ رئیسہ میں شامل ہو حق پر نہ ہو کافر کہلاتا ہے۔

پہلی بات کی مثال میں دہریہ پیش کئے جاسکتے ہیں کہ ان کے سب جسم پر بیماری کو غلبہ حاصل ہے اور وہ مذہب کے کسی اصل کو بھی قبول نہیں کرتے پھر برہمو ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو قبول کرتے ہیں لیکن آگے الہام اور نبیوں کو قبول نہیں کرتے۔ ان کی روحانیت کا گویا ایک عضو درست ہے لیکن باقی بیمار ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَ مَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا۔ (النساء : ۱۳۷) اور

برہمو ان باتوں میں سے چاروں باتوں کا انکار کرتے ہیں۔ پھر مشرکین عرب ہیں جو خدا اور ملائکہ کو تو مانتے تھے مگر اس کے نبیوں اور کتابوں اور بعث بعد الموت کے منکر تھے اس کے بعد ہندو ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ ، ملائکہ 'الہام' رسولوں اور بعث بعد الموت کے قائل ہیں لیکن صرف ابتدائی زمانہ کی ہدایت کے سوا اور سب ہدایتوں کے منکر ہیں۔ پھر یہود ہیں ان میں سے دو گروہ ہیں ایک وہ جو سب مسائل کو قبول کرتے ہیں۔ لیکن نبیوں میں سے دو نبیوں کے منکر ہیں اور ایک ان کا گروہ وہ ہے جو علاوہ ان دو نبیوں کے انکار کے بعث بعد الموت کا بھی قائل نہیں۔ آخر میں مسیحیوں کا نمبر آتا ہے کہ یہ سب سے زیادہ اسلام کے قریب ہیں اور سب باتوں کو قبول کرتے ہیں۔ صرف نبیوں میں ہمارے آنحضرت ﷺ کو قبول نہیں کرتے لیکن یہ بھی کافر ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو شرائطِ اسلام مقرر فرمائی ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو۔ ملائکہ پر ایمان ہو سب کتب پر ایمان ہو۔ بعث بعد الموت پر ایمان ہو۔ ان میں سے ایک شرط ان میں پورے طور پر نہیں پائی جاتی یعنی وہ سب نبیوں پر ایمان نہیں لاتے بلکہ خاتم النبیّین آنحضرت ﷺ کے منکر ہیں۔ اب آنحضرت ﷺ کے بعد اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا جاتا ہے تو جو مسلمان کہلانے والے لوگ اس کا انکار کرتے ہیں وہ باوجود دیگر سب مذاہب کی نسبت اس کے قریب ہونے کے ایک شرط کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے بیماروں میں ہی شامل ہوں گے کیونکہ اعضاءِ رئیسہ میں سے ان کا ایک عضو بیمار ہے۔

اب جس شخص کے خیال میں ایک دوسرے شخص میں مذکور بالا قاعدہ کے ماتحت جو خود قرآن کریم نے بتایا ہے کوئی نقص پایا جاتا ہے اور وہ اسے کافر کہنے پر مجبور ہے۔ کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اس میں ایک ایسی بیماری پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے وہ بیماروں میں شامل ہونے کے لائق ہے اس شخص کو اس پر ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہیں اس کا حق ہے کہ اس کی غلطی اسے سمجھائے اور بتائے کہ مجھ میں سب شرائطِ اسلام پائی جاتی ہیں۔ پس بجائے مجھے جو پورا مسلمان ہوں کافر کہنے کے تُو اپنے اسلام کی اصلاح کر لیکن اس کا کوئی حق نہیں کہ وہ اسے یہ کہے کہ تو اپنے عقیدہ کو حق سمجھتے ہوئے مجھے کافر کیوں خیال کرتا ہے۔ کافر کے تو صرف یہ معنی ہیں کہ وہ اصول مسائل میں سے سب یا بعض یا ایک مسئلہ کا انکار کرتا ہے اور جو شخص کسی انسان کی نسبت ایسا خیال کرتا ہے وہ اسے کافر خیال کرنے پر مجبور ہے اور اگر وہ اسے مسلم ہی سمجھتا ہے تو اسے اس کے خیالات کو قبول کر لینا چاہئے اور اپنے خیالات کو ترک کرنا چاہئے۔

غرض جب کافر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ جس شخص کی نسبت وہ لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ کم سے کم ایک بڑے حق کا انکار کر رہا ہے اور جبکہ اسکے صرف یہ معنی ہیں تو کیسی خلاف عقل بات ہوگی اگر ہم اپنے مخالف سے جس کے نزدیک ہمارا اور اس کا اصولی اختلاف ہے یہ امید رکھیں کہ وہ ہماری نسبت یہ اعلان کرے کہ ہم کسی حق کا انکار نہیں کرتے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ ہم کافر نہیں ہیں۔ ہم اس کو یہ تو ضرور کہیں گے کہ ہمیں کافر کہنے پر تم غلطی پر ہو اور ہم میں سب شرائط اسلام پائی جاتی ہیں اور تم کو بھی چاہئے کہ اس حق کو قبول کرو جو ہمارے پاس ہے لیکن جب تک وہ اپنے عقائد پر قائم ہے وہ ہمیں کافر کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ سکتا پس جو شخص احمدی ہوتا ہے اسے اگر دوسرے لوگ کافر کہتے ہیں تو انہیں ایسا کہنے دے اور ان کو سمجھائے کہ میں حقیقی اسلام پر ہوں اور ان لوگوں کا حق ہے کہ اپنے عقائد کے مطابق اسے کافر ہی سمجھیں جب ان کے مذہب کے رو سے واقعہ میں اس نے ایک جھوٹے مدعی کو قبول کیا ہے تو وہ اسے حق پر کس طرح کہہ سکتے ہیں اور اگر یہ واقعہ میں حق پر ہے تو لوگوں کے یہ سمجھ لینے سے کہ یہ باطل پر ہے اسے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔

۲۔ آپ کا دوسرا سوال یہ ہے: کہ احمدی غیر احمدیوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ اگر کوئی شخص احمدی ہو جائے تو اسے کُل مسجدوں سے علیحدہ ہونا پڑے گا۔ اور ایک فرض کو ترک کرنا پڑے گا جو جائز نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کی بناء صرف خیالات پر نہیں اور اسلام انسان کو رسومات میں گرفتار کرنے نہیں آیا۔ بلکہ اسلام میں جس قدر احکام ہیں ان سب کی غرض اطاعت الٰہی ہے اور کوئی کام اپنی ذات میں ثواب کا مستحق انسان کو نہیں بنا دیتا بلکہ اطاعت الٰہی انسان کو ثواب کا مستحق بناتی ہے نماز کیسی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اور عملی شریعت کے ارکان میں سے ہے لیکن اگر کوئی شخص سورج نکلتے وقت یا سورج ڈوبتے وقت نماز پڑھے تو یہی عبادت گناہ ہو جاتی ہے۔ روزہ قرب الٰہی کا ذریعہ ہے لیکن عید کے دن روزہ رکھنے والا شیطان ہوتا ہے پس کوئی عمل در حقیقت فی ذاتہٖ اچھا نہیں بلکہ عمل وہی اچھا ہے جو خدا تعالیٰ کی رضا کا مستحق بنا دے۔

جنگ احزاب میں آنحضرت ﷺ کو چار نمازیں اکٹھی پڑھنی پڑیں حالانکہ قرآن کریم میں کہیں اس بات کا ذکر نہیں مگر آپ کا یہ فعل شریعت اسلام کے خلاف نہ تھا۔ نہ قرآن کریم

کے حکم کے خلاف۔ وہ ایک وقتی مجبوری تھی جس کی وجہ سے ایسا کرنا پڑا۔ اب بھی اگر کسی کو ایسی مجبوری پیش آئے تو وہ ایسا ہی کر سکتا ہے اور اس کے لئے ایسا جائز ہو گا۔ سونا پہننا مردوں کے لئے جائز نہیں لیکن حضرت عمرؓ نے کسریٰ کے کڑے ایک صحابی کو پہنائے اور جب اس نے ان کے پہننے سے انکار کیا تو اس کو آپ نے ڈانٹا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تیرے ہاتھوں میں مجھے کسریٰ کے کڑے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح ایک موقعہ پر کسریٰ کا تاج اور اس کا ریشمی لباس جب غنیمت کے اموال میں آیا تو حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو اس لباس اور اس تاج کے پہننے کا حکم دیا اور جب اس نے پہن لیا تو آپ رو پڑے اور فرمایا چند دن ہوئے کسریٰ اس لباس کو پہن کر اور اس تاج کو سر پر رکھ کر ملکِ ایران پر جابرانہ حکومت کرتا تھا اور آج وہ جنگلوں میں بھاگا پھر رہا ہے۔ دنیا کا یہ حال ہوتا ہے اور یہ حضرت عمرؓ کا فعل ظاہر بین انسان کو شاید درست معلوم نہ ہو کیونکہ ریشم اور سونا پہننا مردوں کے لئے جائز نہیں لیکن ایک نیک بات سمجھانے اور نصیحت کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو چند منٹ کے لئے سونا اور ریشم پہنا دیا۔ غرض اصل شئے تقویٰ اللہ ہے۔ احکام سب تقویٰ اللہ کے پیدا کرنے کے لئے ہوتے ہیں اگر تقویٰ اللہ کے حصول کے لئے کوئی شئے جو بظاہر عبادت معلوم ہوتی ہے چھوڑنی پڑے تو وہی کار ثواب ہو گا جیسے میں نے بتایا ہے کہ عید کے دن روزہ اور سورج نکلتے اور غروب ہوتے وقت نماز کا ترک ہی ثواب کا موجب ہے اور ان عبادتوں کا ان اوقات میں بجالانا انسان کو شیطان بنا دیتا ہے۔ اس اصل کو مدنظر رکھ کر اب آپ نماز باجماعت کے معاملہ کو دیکھیں۔ مسیح موعودؑ آتا ہے اس کی صداقت کو ہم نشانات سے دیکھتے ہیں اور اسے سچا پاتے ہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ تیری جماعت کے لوگ غیروں کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ اب بتائیں کہ خدا تعالیٰ کے اس حکم کا ماننا ثواب ہو گا یا اس کو ترک کرنا ثواب ہو گا۔ نماز باجماعت بے شک ایک کارِ ثواب ہے لیکن اسی وقت جب کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہو اگر خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف وہ نماز ہو تو وہ ثواب نہیں بلکہ گناہ ہے۔ بعض علماء نے بھی اپنے مخالفوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے اپنے متبعین کو روکا ہے لیکن ان کا یہ فعل ناجائز تھا کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ تھا۔ لیکن مسیح موعودؑ کی صداقت کو جب ایک شخص مان لے اور مسیح موعودؑ ایک بات اذن الٰہی سے کہے تو اس کی اطاعت ہی کارِ ثواب ہو گا نہ کہ اس کی خلاف ورزی۔ ہم تو احادیث میں دیکھتے ہیں کہ بارش کے وقت بھی جماعت ترک کر دینے کی اجازت

ہے اور صَلُّوْا فِیْ رِحَالِکُمْ (مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی الرحال فی المطر) کا حکم ہے۔ جب اس چھوٹی سی وجہ کے پیدا ہونے سے نماز با جماعت کو ترک کیا جا سکتا ہے تو جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو وہاں یہ عذر کیونکر پیش کیا جا سکتا ہے کہ احمدی ہو کر نماز با جماعت ترک کرنی پڑے گی جس خدا نے نماز با جماعت کا حکم دیا ہے اسی نے اپنے مسیحؑ کی معرفت یہ حکم دیا ہے کہ اب غیر کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ پس اگر مسیح موعودؑ سچا ہے تو اب ثواب اسی میں ہے اور وہی نماز قبول ہے جو علیحدہ پڑھی جائے نہ وہ جو غیر احمدی کے پیچھے۔ اس جگہ یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ شریعتِ اسلام تو کامل ہو چکی ہے اب یہ نیا حکم کیونکر جاری ہوا کیونکہ یہ کوئی نیا حکم نہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ اگر یہ حکم دیتے کہ نماز با جماعت پڑھنی جائز نہیں تب بے شک ایک نیا حکم ہوتا لیکن آپ نے تو یہ حکم دیا ہے کہ غیر احمدی کے پیچھے جائز نہیں اور یہ حکم نیا نہیں نماز با جماعت سے تو آپ نے نہیں روکا۔ احمدی آپس میں نماز با جماعت پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر جو شخص احمدیت قبول کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اکیلا نہیں رکھتا بلکہ اس کے لئے جماعت کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص جو نماز پڑھا رہا ہے وہ ناپاک ہے اور بلا غسل نماز پڑھا رہا ہے یا بلا وضو تو آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے؟ کبھی نہیں کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ یہ امام تو احکام اسلام کو توڑ رہا ہے اس کے پیچھے نماز کی قبولیت کیا ہوگی۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ مَاتَ مِیْتَۃً جَاہِلِیَّۃً۔ (کشف الغمۃ جلد ۳ صفحہ ۳۳۵) اب جو شخص امامِ وقت اور مسیح موعودؑ کو قبول نہیں کرتا وہ کس قدر خدا تعالیٰ سے دور ہے حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ جو انسانوں میں سے اصدق الصادقین ہیں اس کی موت کو اسلام سے پہلے کے کفار کی موت کی طرح قرار دیتے ہیں۔ پس جو شخص آنحضرت ﷺ کو قبول کرتا ہے اور پھر حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کو قبول کرتا ہے وہ آپ کے منکر کے پیچھے کس طرح نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ نماز کا امام تو سب جماعت کا قائم مقام ہوتا ہے پھر کیا خدا تعالیٰ کے حضور اپنی التجاؤں کے پیش کرنے کے لئے انسان اس شخص کو آگے کر سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے اس شخص کو اپنا امام بنانا گویا اپنی دعاؤں کو بھی قبولیت سے محروم رکھنا ہے۔ گورنمنٹ کے پاس لوگ ڈیپوٹیشن بھیجتے ہیں تو یہ دیکھ لیتے ہیں ایسا شخص ڈیپوٹیشن کا رئیس ہو جس سے حکام خوش ہوں اور کبھی ڈاکو یا مجرم کو آگے نہیں کرتے کیونکہ اس سے انہیں خطرہ ہوتا ہے کہ اگر درخواست قبول ہونی بھی ہوگی تو نہ ہوگی اسی

وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اَتْقَی النَّاسِ اور اَعْلَمُ النَّاسِ امام بنانے کا حکم دیا یا کم سے کم متقی انسان تو امام ہونا چاہئے جس کی نسبت ہمارا گمان ہو کہ اللہ تعالیٰ اس پر خوش ہے لیکن وہ شخص جو خدا تعالیٰ کے مأمور کو رد کرتا اور اس کے حکم کو ٹالتا اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور اشارات کو پس پشت ڈالتا ہے اس کی نسبت ہم کب خیال کر سکتے ہیں کہ وہ ان لوگوں کا امام ہونے کے قابل ہے جو اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو قبول کر چکے ہیں اور اس کی امان میں آچکے ہیں ان کا امام تو وہی ہونا چاہئے جو ان میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ تو قرآن کریم میں مؤمنوں کی دعا بتاتا ہے وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۔ (الفرقان : ۷۵) ہمارے مقتدی بھی متقی ہوں۔ پھر بھلا وہ شخص جو امام وقت کو رد کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر چکا ہو امام ہونے کے لائق کب ہے۔ پس اصل بات یہی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ حکم کبھی نہیں دیا کہ نماز با جماعت نہ پڑھو بلکہ ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکا ہے جو امام ہونے کے اہل نہیں اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کر چکے ہوں تا ایسا نہ ہو کہ ان کو امام بنانے کی سزا میں یہ بھی ایمان سے محروم کر دیا جائے اور اس کی دعا بھی رد ہو اور جہاں ایسے آدمی ملیں جو امام ہونے کے اہل ہوں وہاں نماز باجماعت کا حکم اسی طرح موجود ہے جس طرح اسلام نے دیا ہے۔

آپ آنحضرت ﷺ کے اقوال پر بھی غور فرماویں ان سے بھی ثابت ہے کہ مسیح کے متبع ایک دوسرے کے پیچھے ہی نماز پڑھیں گے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ فِيْكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ (مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ بن مریم حاکما بشریعۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دوسری حدیث میں ہے وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ۔ (بخاری کتاب بدء الخلق باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام) اب اس حدیث پر غور کریں کیسے صاف الفاظ میں بتایا ہے کہ احمدیوں کا امام احمدی ہی ہونا چاہئے۔ فرماتے ہیں کہ جب عیسیٰؑ بن مریم نازل ہوں گے تو تم میں سے ہی امام ہوگا۔ اب یہ بات تو صاف ثابت ہے کہ نماز کا امام عیسائی یا ہندو تو ہوا ہی نہیں کرتا کہ ہم اس جگہ یہ خیال کر لیں کہ آنحضرت ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ اس وقت کی یہ خصوصیت ہوگی کہ امام ہندو عیسائی یا یہودی نہ ہوا کریں گے بلکہ مسلمان ہی ہوں گے غرض اس جگہ اس حدیث کے یہ معنی کرنے کہ اے مسلمانو! اس وقت تمہارا امام تم میں سے ہوگا یعنی مسلمان ہوگا اس حدیث کو لغو اور بے معنی بنا دینا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ پس اس کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ مسیح کے نزول تک تو سب فرق کا اختلاف ایسا نہ ہوگا کہ ایک دوسرے کے

پیچھے نماز ترک کر دیں لیکن چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا مرسل ہو گا اس لئے اس کی جماعت کی خصوصیت یہ ہو گی کہ ان کا امام انہی میں سے ہو گا نہ کہ ان دوسرے فرق سے جو دعوٰیٰ اسلام کرتے ہوں گے۔ غرض غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنے کا ترک ہرگز کسی فرض کا ترک نہیں بلکہ قرآن کریم واحادیث کی رو سے امام جماعت امامت کے اہل انسان کو بنانا چاہئے اور چونکہ ایک مأمور اور مأمور بھی مرسل مأمور اور پھر مسیح موعودؑ کا انکار ایک خطرناک جرم ہے جو انسان کے تعلق کو اللہ تعالیٰ سے توڑ دیتا ہے۔ اس لئے مسیح موعودؑ کا منکر ہرگز ایک احمدی کی امامت کا اہل نہیں اور بموجب حدیث جماعتِ مسیح موعودؑ کا امام خود انہی میں سے ہونا چاہئے اور خدا تعالیٰ نے مسیح موعودؑ کو حکم دیا ہے اور یہ فیصلہ قیاسی نہیں مطابق الہام ہے۔

علاوہ ازیں آپ یہ بھی خیال فرمادیں کہ مسیح موعودؑ کی نسبت رسول اللہ ﷺ حَکَمًا عَدْلًا (بخاری کتاب بدء الخلق باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام) فرماتے ہیں یعنی وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ کرنے کے لئے آئے گا اور اس کے فیصلے بالکل درست ہوں گے پس جب مسیح موعودؑ کے فیصلوں کو آنحضرت ﷺ درست قرار دیتے ہیں تو اور کسی انسان کا کیا حق ہے کہ ایک شخص کو مسیح موعودؑ مان کر پھر بھی کہے کہ اسکے بعض فیصلوں کو مان کر اسلام کے بعض احکام کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ کیا حَکَمًا عَدْلًا کے فیصلے غلط ہو سکتے ہیں؟ اس کا تو ہر ایک حکم اسلام کے ماتحت ہی ہو گا۔ پس یہ بحث تو ہو سکتی ہے کہ مرزا صاحب واقعہ میں مسیح ہیں یا نہیں مگر ان کو مسیح مان کر ان کے فیصلوں کو اسلام کے خلاف نہیں کہا جا سکتا۔

۳۔ تیسرا سوال آپ کا یہ ہے: کہ قرآن کریم میں ہمارا نام مسلم رکھا گیا ہے اور ہمیں مختلف فرقے بنانے سے روکا گیا ہے پھر ہم کس طرح احمدی کہلائیں اور ایک اور فرقہ کی بنیاد رکھیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ احمدی نام ہمارے مذہب کا نہیں۔ ہمارا مذہب اسلام ہی ہے۔ لیکن جب کہ اس وقت مسلمانوں میں ہزاروں فرقے موجود ہیں اگر ہم صرف مسلمان کہلائیں تو دنیا ہماری خصوصیات سے کس طرح واقف ہو۔ اس وقت احمدی کا لفظ گویا ہمارے لئے ایک اشتہار ہے اور اس کے یہ معنی نہیں کہ احمدی کوئی نیا مذہب ہے بلکہ اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور اس جماعت میں شامل ہیں جو مسیح موعودؑ کو ماننے والی ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیّن کا خطاب دیا ہے یا نہیں اور پھر بہت سے آدمیوں کو نبی کر کے پکارا ہے یا نہیں۔ پھر کیا یہ سَمّٰکُمُ

الْمُسْلِمِيْنَ کے خلاف ہے؟ ہرگز نہیں وہ لوگ نبی بھی تھے مسلمان بھی تھے۔ اسلام ان کا مذہب تھا اور نبوت ان کی خصوصیت تھی جو اور دوسرے مسلمانوں میں نہیں پائی جاتی تھی۔ پس نبی یا خاتم النبیین کے نام سے پکارنے سے یہ مطلب نہیں تھا کہ مسلم کے نام کے خلاف کیا گیا ہے بلکہ اس میں ایک خصوصیت بتلائی گئی تھی۔

پھر خود قرآن کریم میں مہاجرین و انصار کے دو گروہوں کا ذکر آتا ہے اور یہ دونوں گروہ مسلمانوں میں سے تھے۔ کیا پھر قرآن کریم نے خود اپنے ہی بتائے ہوئے قاعدہ کے خلاف کیا کہ آپ ہی تو بتایا کہ تمہارا نام مسلم ہے اور آپ ہی ایک جماعت کو مہاجر کے نام سے پکارا اور ایک کو انصار کے نام سے مگر اس کا جواب یہی ہے کہ یہ نام مسلم نام کے خلاف نہیں وہ لوگ مذہباً مسلم تھے لیکن چونکہ ان میں بعض خصوصیات ہیں جن کا ذکر کرنا ان کے درجہ اور ان کے حقوق کے اظہار کے لئے ضروری تھا اس لئے ان کا ذکر بھی کیا گیا جو سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ (الحج : ۷۹) کے خلاف نہ تھا۔ اسی طرح مسلمانوں میں سے کوئی سید کوئی قریشی کوئی پٹھان کوئی مغل وغیرہ کہلاتے ہیں اور یہ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ کے خلاف نہیں بلکہ بعض جگہ اس کا اظہار ضروری ہو جاتا ہے۔ گورنمنٹ نے پنجاب میں خاص اقوام کو زمین کے خریدنے کا اہل قرار دیا ہے اور ہر قوم کو مستحق نہیں سمجھا۔ اب اگر مسلمان سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ کے ماتحت اپنے ان ناموں کو پوشیدہ رکھیں جو ان کی قوم کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو وہ ان تمام حقوق سے محروم ہو جائیں۔ اسی طرح آپ غور کریں کہ ہر ایک شخص کا ایک نام ہوتا ہے اگر سب مسلمان اسی حکم کے ماتحت نام رکھنے چھوڑ دیں تو دنیا میں کس قدر تباہی آجائے۔ غرضکہ مختلف وجوہات کے ماتحت انسان کو اپنے بعض نام قرار دینے پڑتے ہیں کبھی اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے ممتاز کرنے کے لئے وہ اپنا نام رکھتا ہے یا یہ کہ اس کے والدین اسکا کوئی نام رکھتے ہیں اور کبھی ایک قوم کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ایک قومی نام رکھا جاتا ہے کبھی بعض عہدوں اور مدارج کے بتانے کے لئے نام رکھے جاتے ہیں اور ایسا کرنے سے مسلمانوں کے مسلم نام میں کوئی فرق نہیں آجاتا۔ پس ہم جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں تو یہ قرآن کریم کے حکم کے خلاف نہیں کیونکہ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہم مسلم نہیں بلکہ ہم ہمیشہ اپنے آپ کو مسلم ہی کہتے ہیں۔ احمدی تو ہم صرف اس بات کے ظاہر کرنے کے لئے کہلاتے ہیں کہ ہم وہ مسلمان ہیں جو مسیح موعودؑ کے ہاتھوں پر اسلام کی حقیقت کو پاکر مسلم بنے ہیں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے مأمور اور

مرسل کو رد نہیں کیا بلکہ قبول کیا ہے جس طرح انصار اس لئے انصار کہلاتے تھے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے رسول کو اپنے گھروں میں جگہ دی۔ غرضکہ احمدی کہلانے میں اسلام کا انکار نہیں بلکہ ایک خصوصیت کا اظہار ہے۔

باقی رہا یہ کہ قرآن کریم نے فرقہ بندی سے منع کیا ہے سو یہ بالکل درست ہے۔ اسلام نے فرقہ بندی سے منع کیا ہے جو شخص فرقہ بندی کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے مگر ہم تو کوئی فرقہ بندی نہیں کرتے ہم تو اصل اسلام کو نقلی اسلام اور بناوٹی اسلام سے علیحدہ کرتے ہیں۔ اس وقت مسلمان کہلانے والے لوگ ہزاروں گندے عقائد اور بد رسومات میں مبتلا ہیں اور بہت سی صداقتوں سے منکر ہیں۔ مسیح موعودؑ نے ان سب باتوں کو خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت دور کیا ہے اور حقیقی اسلام کو پیش کر کے اس کی طرف لوگوں کو بلایا ہے۔ پس یہ فرقہ بندی نہیں بلکہ اسلام کی شیرازہ بندی ہے۔ کیا قرآن کریم نے اس بات سے بھی منع کیا ہے کہ اسلام کی شیرازہ بندی کبھی نہ کرنا اور خواہ مسلمان اسلام سے کتنے ہی دور ہوتے چلے جائیں تم ان کو اصل اسلام کی طرف نہ بلانا اور اگر یہ جائز ہے تو احمدی جماعت کا قیام فرقہ بندی کی بناء پر نہیں بلکہ اسلام کی شیرازہ بندی کی بناء پر ہے۔ اور جو لوگ اسلام سے دور چلے گئے تھے ان کو کھینچ کھینچ کر ایک مرکز پر جمع کیا جا رہا ہے۔ اسلام میں کسی شخص کا ہاتھ یا پیر کاٹ دینا منع ہے لیکن ایک ڈاکٹر جب ایک بے کار عضو کو کاٹ دیتا ہے تو یہ عین ثواب ہوتا ہے کیونکہ اسکا ساتھ جڑا رہنا دوسرے اعضاء کو بھی خراب کر دے گا اسی طرح محفوظ اعضاء کو بے کار اعضاء سے جدا کر دینا اور ان کو ایک شیرازہ میں لے آنا ہرگز فرقہ بندی نہیں کہلا سکتا۔ اس وقت اگر حقیقی اسلام کو الگ نہ کیا جائے تو اسلام کی تباہی یقینی ہے۔ ضروری ہے کہ اسلام کی بہتری اور اس کے احیاء اور قیام کے لئے حق کو باطل سے علیحدہ کر دیا جائے۔

۴۔ چوتھا سوال آپ کا یہ ہے: کہ قرآن کریم میں یا احادیث میں کہیں اس بات کا حکم نہیں کہ مسیح و مہدی کو کھلے طور پر قبول کرنا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم سے تو سوائے آنحضرت ﷺ کے اور کسی نبی کی اطاعت کا قبل از وقت حکم دیا جانا معلوم نہیں ہوتا لیکن جب کہ اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ صادقوں کے ساتھ مل جاؤ۔ (التوبہ : ۱۱۹) اور فرماتا ہے کہ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ (البقرہ : ۴۴) فرمانبردار لوگوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ تو مسیح اور مہدی کا نام

لے کر اس بات کی تاکید کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ اس کی فرمانبرداری کرو۔ اگر مسیح موعودؑ صادق ہے تو اس کے ساتھ ہونے اور اس کی جماعت میں علی الاعلان شامل ہونے کی ضرورت ہے اور قرآن کریم کا حکم ہے اور اگر کاذب ہے۔ نعوذ باللہ۔ تو پھر اس سوال کی ہی ضرورت نہیں پھر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نسل انسان کو فرماتا ہے فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۔ (البقرہ : ۳۹: ۴۰)۔ پس جس کا نام مہدی رکھا گیا ہے وہ جب دنیا میں آئے تو اس کے ساتھ ہونا اور اس کی جماعت میں داخل ہونا تو ایک حکم الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی اتباع کرنا تو مؤمن کا فرض اولین ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۔ (آل عمران : ۱۱۱) تم بہتر امت ہو جو لوگوں کے نفع کے لئے نکالی گئی ہے تم لوگ سب نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور سب بری باتوں سے لوگوں کو روکتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کو دوسری امتوں پر نضیلت ہی اس لئے دی گئی ہے کہ ان کا فرض مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی زندگیوں کو لوگوں کے نفع کے لئے وقف کر دیں اور حق باتیں لوگوں کو پہنچاتے رہیں اور بری باتوں سے روکتے رہیں۔ پس جبکہ مسلمان کا فرض دوسروں کو حق پہنچانا ہے تو اپنا مذہب پوشیدہ رکھنا اسے کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور اور ہدایت نازل ہوگئی تو ہر ایک مؤمن کا فرض ہے کہ وہ اس کو شائع کرے اور لوگوں کو اس کی طرف بلائے اور یہ مسلم کا پہلا فرض ہے اور ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ تبلیغ کرنے والے لوگوں کو کہتا ہے کہ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران : ۱۰۵) یعنی جب تک لوگوں کو دعوت حق دینے کا مادہ مسلمانوں میں رہے گا اسی وقت تک مسلمان کامیاب ہوں گے۔ پس ان تمام آیات کے ہوتے ہوئے ایمان کا پوشیدہ رکھنا جائز نہیں۔ اور ان آیات میں ہرگز کہیں نہیں لکھا کہ یہ حکم صرف فلاں فلاں نبی کے لئے ہے یا یہ کہ فلاں فلاں ہدایت کے لئے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں یہود کی نسبت آتا ہے کہ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ۔ (البقرہ : ۱۴۷) اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دل سے تو وہ آپ کے مؤمن تھے لیکن اس کا اظہار نہیں

کرتے تھے۔ لیکن باوجود اس کے ان پر سخت الزام لگایا گیا ہے۔ پھر ہم حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات کو دیکھتے ہیں تو وہاں بھی یہ حکم پاتے ہیں کہ جو شخص اس کشتی میں نہیں بیٹھتا جو اللہ تعالیٰ نے مسیح موعودؑ کے ہاتھوں سے تیار کروائی ہے یعنی احمدی جماعت میں داخل نہیں ہوتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ نہیں اور اس کے فضلوں کا وارث نہیں ہو سکتا۔

۵۔ پانچواں سوال آپ کا یہ ہے: کہ مذکورہ بالا واقعات کے ہوتے ہوئے اگر میں آپ کو خفیہ طور پر قبول کروں تو اس میں کچھ حرج نہیں؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ میں پہلے سوالوں کے جواب دے چکا ہوں جن میں مَیں نے بتایا ہے کہ مأموروں کا ماننا اور ان کی جماعت میں شامل ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسیح موعودؑ کی جماعت سے عظیم الشان ترقیوں اور انعامات کے وعدے کئے ہیں۔ ان وعدوں کا حصہ دار انسان تب ہی ہو سکتا ہے جب ان کی جماعت میں شامل ہو۔ مکرمی! آپ سوچیں کہ اگر سب لوگ اسی طرح اپنے دل میں فیصلہ کر کے اپنی اپنی جگہ پر قائم رہیں تو وہ کام جو مسیح موعودؑ کا ہے کس طرح پورا ہو۔ آپ نے جو خیالات ظاہر فرمائے ہیں یہ دوسروں کے لئے بھی روک ہو سکتے ہیں۔ پھر اسلام کا غلبہ جو مسیح موعودؑ کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کرانا چاہتا ہے کیونکر ہو اور کھرے اور کھوٹے میں کیا امتیاز پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام حضرت مسیح موعودؑ کو بیعت لینے پر مقرر فرمایا تھا اور ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے خلفاء جو غیر مأمور تھے ان کی بیعت کی نسبت بھی صحابہؓ کو اس قدر اصرار تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے زیادہ دیر بغیر ایک امام کے رہنے کو پسند نہ کیا اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور جس شخص نے بیعت نہ کی اس سے بالکل قطع تعلق کر لیا اور کلام تک چھوڑ دیا۔ پس جب یہ غیر مأمور خلفاء کا حال ہے تو مأمور خلیفہ اور مسیح موعودؑ اور امت محمدیہ کے درخشندہ گوہر آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت سے ترقی کرتے ہوئے نبی کا نام پانے والے انسان کے ساتھ شامل نہ ہونا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ ایمان کی سلامتی کے لئے ضروری ہے کہ کھلے بندوں اس کی جماعت میں شامل ہو کر ہر ایک مؤمن باللہ اپنے نفس کی درستی اور خدمتِ اسلام میں لگ جائے۔ میرے خیال میں تو جو شخص مسیح موعودؑ کو امام برحق مان لیتا ہے اس کے لئے سوائے دنیاوی مشکلات اور مولویوں کے فتوؤں کے اور کوئی چیز مسیح موعودؑ کے ماننے میں روک نہیں ہو سکتی۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا چند روزہ ہے اور آخر میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں

حاضر ہونا ہے جہاں کسی کی سفارش یا شفاعت کام نہیں دے سکتی الاماشاء اللہ اور جب خدا تعالیٰ کے علم سے کوئی بات مخفی نہیں۔ ہمارے زمانہ میں تو وہ مشکلات نہیں پہلے زمانہ میں تو لوگوں کو صداقت کی خاطر جانیں دینی پڑتی تھیں اور بعض کو اپنے سامنے اپنی بیویوں اور بچوں کو ذبح ہوتے دیکھنا پڑتا وطن چھوڑنے پڑتے تھے جائیدادیں ترک کرنی پڑتی تھیں مگر وہ لوگ صداقت کے قبول کرنے سے انکار نہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۔ (العنکبوت : ۳) کیا لوگ خیال کرتے ہیں کہ صرف ایمان کا دعویٰ کرنے پر ان کو چھوڑ دیا جائے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے یعنی ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایمان وہی قابل قدر اور انعام الٰہی کا وارث کرتا ہے جس میں انسان آزمائشوں میں ڈالا جائے اور خدا تعالیٰ کے لئے ہر ایک قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ پس مؤمن تو وہی ہے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک اسی کی قدر ہے جو اپنے پیدا کرنے والے اور اپنے رازق اور اپنے مالک کے حکم کے ماتحت ہر ایک تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ ہماری جماعت میں سے ہی بعض لوگ اس سلسلہ میں داخل ہونے کی وجہ سے ریاست کابل میں قتل کئے گئے اور بعض کو اپنے وطن چھوڑنے پڑے لیکن انہوں نے صداقت کو نہ چھپایا اور ایسا تو شاید ہی کوئی انسان ہو جس کو اور قسم قسم کے دکھ نہیں دیئے گئے۔ اور کچھ نہیں تو فتوٰئ کفر کے ذریعہ سے اسے ڈرانے کی کوشش نہ کی گئی ہو۔ اور ایمان قبول بھی وہی ہوتا ہے جو باوجود مشکلات کے ثابت رہے۔ کاش! دنیا اس بات پر غور کرتی۔ اور لوگ اس بات کو سوچتے کہ انسان اس دنیا میں نہ رہے گا۔ اگر صداقت کے قبول کرنے میں اسے سخت سے سخت تکلیفیں بھی دی جائیں تب بھی وہ ایک محدود وقت کے لئے ہوں گی۔ اول تو اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں مؤمنوں کی نصرت کرتا ہے اور اگر اس دنیا میں دکھ ہی دکھ ہو تب بھی یہ زندگی زیادہ سے زیادہ سَو سال کی سمجھ لو پھر مرنا ہے اور ایک نئے گھر میں بودوباش کرنی ہے جس کا کوئی خاتمہ نہیں پھر اس نہ ختم ہونے والے آرام کو قربان کرنا اور اس محدود زندگی کے آرام کو قبول کرنا کہاں کی دانائی ہے۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ رضائے الٰہی کے مقابلہ میں دنیا کے دکھوں اور تکلیفوں کی ہستی ہی کیا ہے۔ کاش! مسلمان اس قدر غور کرتے کہ آج اسلام خطرناک مصائب میں گرفتار ہے اور اسے پھر بڑھانے کے لئے خدا تعالیٰ نے مسیح موعودؑ کو بھیجا ہے اور اس کے ہاتھ سے اسلام کے شیرازہ کو پھر باندھنا چاہا ہے اور اس جماعت میں شامل ہونے کے لئے

دوڑتے جسے خدا تعالیٰ نے اسلام کی حفاظت کے لئے پیدا کیا ہے اور اس جماعت سے علیحدہ ہو جاتے جس نے حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب آنحضرت ﷺ مسیح موعودؑ کو اپنا سلام پہنچا دینے کا حکم ہر ایک مسلمان کو دیتے ہیں تو پھر کیا مسلمان کہلاتے ہوئے کوئی شخص مسیح موعودؑ سے جدا ہو سکتا ہے۔ ہر ایک شخص کو یہ حکم دینا کہ میری طرف سے مسیح موعود کو سلام کہنا اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ اس کی جماعت میں شامل ہونا۔ کیونکہ سلام پہنچانا چاہتا ہے کہ اس کے پاس بھی انسان جائے اور الٰہی سلسلے انسانوں کی وفات کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتے۔ مسیح موعودؑ کا ماننا جیسے اس کی زندگی میں ضروری تھا اسی طرح اب بھی ہے۔ اسلام کو سب سے بڑا نقصان پراگندگی سے پہنچا اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ پھر نئے سرے سے مسلمانوں کو ایک جماعت بنائے اور اس کے لئے اس نے مسیح موعودؑ کو بھیجا ہے۔ اب جس شخص کے دل میں اسلام کی محبت ہے اور خدا تعالیٰ کا تقویٰ رکھتا ہے اسے چاہئے کہ مسیح موعودؑ کے دعویٰ کو پرکھنے کے بعد اس کی صداقت معلوم کرکے اس کے احاطہ میں آجائے تا ایسا نہ ہو کہ خدا تعالیٰ کے حضور میں وہ ان لوگوں میں شامل کیا جاوے جو اسلام کو نقصان پہنچانے والے اور جماعت مسلمین کو پراگندہ کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اور حق کی طرف ہدایت کرے۔ آمین۔

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی

قادیان دارالامان

۹- اپریل ۱۹۱۵ء